بجناب محمد ایوب قادری

مولانا عبدالرحمٰن کا قبولِ اسلام

[میں نے شیخ عبدالمجید سندھی کے قبولِ اسلام کا واقعہ شیخ صاحب سے سن کر صیغہ واحد متکلم میں قلم بند کیا تھا جو پچھلے دنوں شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے مجلہ "الولی" حیدرآباد سندھ میں شائع ہوا۔ بعض حلقوں میں اس مضمون کو خاصا پسند کیا گیا۔ اب میں ایک عالم مولانا عبدالرحمٰن کے قبولِ اسلام کے واقعات ترتیب دے کر ناظرینِ "الولی" کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب اس وقت کراچی میں موجود ہیں — انشاء اللہ اس کے بعد مولانا محمد مدنی (مترجم قرآن) کے قبولِ اسلام کے واقعات پیش کیے جائیں گے۔ (محمد ایوب قادری)]

ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر میں میانوال آرائیاں اور میانوال مولویاں دو مشہور بستیاں ہیں۔ میں اول الذکر مقام میانوال آرائیاں میں ۲۰ر فروری ۱۹۱۳ء کو پیدا ہوا۔ میرا نام رام سرن داس رکھا گیا۔ میرے باپ کا نام لالہ نند لال تھا۔ ہماری ذات ریہان کھتری ہے۔ ہمارا خاندان اس علاقے میں خاصا مشہور، صاحبِ حیثیت اور با اثر تھا۔ سرکار دربار میں اچھا رسوخ تھا۔ مذہباً ہم سناتن دھرمی تھے۔ ہمارے یہاں ساہوکارہ، تجارت اور زمینداری کا کام ہوتا تھا اور علاقے کی سرداری بھی تھی۔ دادا جان نے اڑسٹھ برس سرداری کی تھی۔

مروجہ طریقے کے مطابق میری تعلیم شروع ہوئی۔ ۱۹۳۱ء میں میں نے شاہ کوٹ سے انگلش مڈل

پاس کیا اور اول درجے میں کامیاب ہوا۔ پھر مزید تعلیم حاصل کرنی چاہی مگر کچھ موانع ایسے رہے کہ تعلیم حاصل نہ کرسکا اور تجارت کا سلسلہ شروع کردیا۔

مجھے بچپن ہی سے مذہب سے لگاؤ تھا اور دل تلاش حق کا جویاں تھا۔ میری بستی کے لوگ [illegible] تھے مجھے شرک و بدعات سے طبعاً نفرت تھی۔ چنانچہ جب میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا اس زمانے میں میرے دو تایا زاد بھائی لالہ دینا ناتھ اور لالہ گردھاری لال بسلسلہ تجارت جالندھر اور فیروزپور میں ایک سال یا آٹھ ماہ رہ کر گھر واپس آئے اس زمانے میں مذہبی مباحثے اور تحریکات زوروں پر تھے میں نے اپنے بھائیوں سے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے مذہبی مباحثے اور مناظرے بھی سنے یا نہیں اور اگر سنے تو مذہب کے متعلق کیا معلومات حاصل کیں۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ مخلوق بحیثیت مخلوق نہ ہم کو کوئی نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اور یہ اختیار صرف بھگوان (خدا) کو ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ آریہ سماجی خیالات سے متاثر ہو چکے تھے۔

میرے بھائیوں کی یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی اور میں نے اس کا تجربہ شروع کیا۔ ہمارے گاؤں کے قریب سید پور کی ایک بستی تھی وہاں بابا سید رانا کی ایک قبر تھی جس پر دور و نزدیک سے ہندو مسلمان سکھ، سبھی نذریں چڑھاتے تھے۔ ہمارے گھر سے بھی نذر جاتی تھی۔ ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب ہمارے ذریعے سے کوئی چیز بطور نذر قبر پر بھیجی جاتی تو ہم بجائے قبر پر چڑھانے کے خود چٹ کر جاتے اور اس قبر پر جو پیسے وغیرہ ہوتے وہ بھی اٹھا لیتے۔ اس عمل سے ہمیں کبھی کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا اس طرح ہمارا دل مضبوط ہو گیا۔

میں پانچویں جماعت میں تھا کہ ایک مرتبہ ڈپٹی صاحب اسکول میں معائنے کے لئے آئے اساتذہ نے اسکول کو خوب سجایا۔ ہر جماعت میں کتبے لگائے گئے ہماری جماعت کے استاد روشن خاں نے کتبات میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے ؎ چار دن کی زندگی ہے آپ کو ہے اختیار × دوستی کر لیجیے یا دشمنی کر لیجیے

؎ آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں   سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

ان اشعار کا میرے دل پر اثر ہوا۔ ہماری پانچویں جماعت کے ایک استاد بے انت سنگھ تھے وہ بالعموم طلبہ کو نیکی کے کاموں کی رغبت دلاتے تھے۔ انہوں نے طلبہ سے ایک ڈائری بنانے کے لئے کہا اور بتایا کہ اس ڈائری میں روزانہ نیکی کا وہ کام لکھا جائے جو کیا جائے تاکہ اس طرح نیک کام کرنے کی عادت پڑ جائے

انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی کام نہ کر سکو تو کم سے کم راستہ میں سے اینٹ پتھر ہی ہٹا دو۔

جب میں نے فارسی پڑھنی شروع کی تو مندرجہ ذیل انداز کے اشعار نے متاثر کیا ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو

ان اشعار کا یہ اثر ہوا کہ میرے دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ نیک کاموں کا بدلہ نیک ہے اور بُرے کاموں کا بدلہ بُرا ہے۔

تعلیم چھوڑنے کے بعد میں مطالعہ بھی کرتا تھا اور غور و فکر بھی کرتا تھا۔ بت پرستی سے مجھے شروع سے نفرت تھی اور اب میں آریہ سماج کے قریب ہو گیا تھا شرک و بدعات اور مراسم پرستی سے مجھے سخت بے زاری تھی اور میں اپنے معاشرے کا باغی تھا۔ میں نے آریہ سماج کی کتابوں کا مطالعہ کیا ستیارتھ پرکاش کو پڑھا اور نظریاتی طور پر میں نے آریہ سماج کے اصول قبول کر لئے۔ مگر دل اب بھی مطمئن نہیں تھا۔

اس کے بعد میں اپنے تجارتی نیز دوسرے مشاغل میں مصروف رہا مگر تلاشِ حق کا جذبہ برابر کارفرما رہا، اب میں نے ہر قسم کا مذہبی لٹریچر پڑھا۔ لیکچر اور وعظ سُنے مگر مجھے کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو مجھے مطمئن کر سکتا۔ اب میرا مطالعہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور میں حق بات علی الاعلان کہہ دیتا تھا۔ اس وجہ سے لوگ میری عزت کرنے لگے تھے اور میری حق گوئی سے متاثر بھی تھے بلکہ بالعموم لوگ مجھے متنازع فیہ مسائل میں ثالث و حَکم بھی بنانے لگے بلکہ بعض مذہبی معاملات میں بھی میری رائے کو وقیع سمجھنے اور ماننے لگے۔

ستیارتھ پرکاش میں آریوں کے لئے دس اصول لکھے گئے ہیں ان میں سے چھٹے اصول پر مجھے شک ہوا اور وہ اصول میری نظر میں بالکل باطل ٹھہرا اور اب میں آریہ سماج سے بھی متنفر ہو گیا اب میں نے اسلامی کتب کا خاص طور سے مطالعہ شروع کر دیا۔ میاں والی مولویاں میں ایک فارغ التحصیل عالم تھے بعض مباحث میں جب میں ان سے رجوع کرتا تھا تو وہ مجھے مطمئن نہیں کر سکے۔ اسی دوران میں نے اپنے ایک ہم جماعت ولی محمد سے کہا کہ میں اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میرے بڑے بھائی علی محمد صاحب سے گفتگو کرو وہ آپ کو معلومات بہم پہنچا سکیں گے۔ میں جب علی محمد صاحب کے پاس گیا تو وہ ایک ضروری کام میں مصروف تھے مگر وہ میری طرف فوراً متوجہ ہوئے۔ میں نے گوشت خوری پر اعتراض کیا کہ یہ جانوروں پر سراسر ظلم ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا سبزیوں میں روح ہے یا نہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ پھر تو سبزی خور بھی "جیو ہتیا" کے مرتکب

ہوئے ان کے اس جواب سے میں سوچ میں پڑ گیا میں کئی مہینے تک ان کے پاس جاتا رہا۔ وہ میرے بہت سے سوالوں اور اعتراضات کے تسلی بخش جواب دیتے رہے یہاں تک کہ مجھے اطمینان کی منزل تک پہنچا دیا اور اب میں اسلام کو سچا مذہب سمجھنے لگا۔ ایک روز میں نے اپنے باپ سے اس سلسلے میں گفتگو کی اور ان سے کہا:

میں:۔ بھیا! میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ اور تحقیق کی ہے اور اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام سب سے بہتر مذہب ہے۔

باپ:۔ بیٹا! سب مذہبوں کا مدعا اور مقصد ایک ہے لیکن لوگوں نے جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے ان کو مسخ کر دیا ہے۔

میں:۔ اسلام میں عبادت اور اس کا طریقہ نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ ہے۔ اس کی مثال کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کر سکتا۔

باپ:۔ میں مانتا ہوں کہ ایسی پاکیزہ عبادت کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے اس گفتگو کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا مگر میں علی محمد صاحب کے پاس برابر آتا جاتا رہا۔ اب میری عجیب ذہنی کیفیت تھی میں برابر اسلام کے متعلق سوچا کرتا تھا، رات کو جب میں سوتا تو دیکھتا کہ ایک سفید پرندہ میرے اوپر سے اڑ کر جاتا ہے یہ کیفیت مہینوں رہی۔ میں اکثر خواب میں پرواز کرتا تھا اور دہلی کی طرف جاتا تھا۔ یہاں ایک بات کا ذکر اور ضروری سمجھتا ہوں کہ کپورتھلہ کی جامع مسجد کو دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا تھا۔ یہ ایسی نفیس اور عالی شان مسجد تھی کہ جس کو میں گھنٹوں دیکھا کرتا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ مسجد جامع مسجد دہلی کے نقشہ کے مطابق نئے مسالہ سے بنی تھی۔ چونکہ میں ابھی باقاعدہ داخلِ اسلام نہیں ہوا تھا لہٰذا میں نے مسجد میں داخلہ کا یہ حل نکالا کہ میں مسجد میں جا کر حوض پر بیٹھتا اور وضو کرتا رہتا تھا اس طرح مسجد کو دیکھتا رہتا تھا۔

میں اپنے مسلمان دوستوں خصوصاً شیخ نظام الدین درزی سے برابر ملتا رہتا تھا۔ اور اسلام کی تعلیمات حاصل کرتا تھا ایک روز میرے بڑے بھائی نے جو نہایت زیرک اور قیافہ شناس تھا مجھے وضو کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ مجھ سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں ہاتھ منہ دھو رہا ہوں۔ میرے مولوی صاحب، جن کے پاس میں عربی پڑھنے جاتا ہوں وہ اسی طرح ہاتھ منہ دھوتے ہیں یہ سُنکر بھائی نے کہا کہ عربی پڑھنے مت جایا کرو۔ اب میں نے نماز بھی سیکھنی شروع کر دی تھی اور مجھے سورۃ

اِخلاص وغیرہ پوری یاد ہو گئی تھیں۔

ایک دن میں سو کر اُٹھا تو بے اختیارانہ میرے منہ سے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ نکلا۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام میں سچی اور پکی توحید ہے اور اب رسالت کا معاملہ رہ گیا۔ ہمارے پڑوس کے ایک گاؤں میانوال (مولویاں) میں مولوی جلیل الرحمٰن ایک سچے عالم رہتے تھے۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور مذہبی مباحث پر گفتگو کرتا تھا۔ شیعہ اور قادیانی لٹریچر بھی میں نے خوب پڑھا اور ان فرقوں کے متعلق مجھے بہت معلومات حاصل ہو گئیں۔ اور میں ان کی اصلیت و حقیقت سے پوری طرح واقف ہو گیا۔ شیخ نظام الدین اور ان کے بھانجے خوشی محمد سے میرا رابطہ اور ملاقاتیں برابر جاری رہیں۔ یہ لوگ اہلِ حدیث تھے۔ میرا رجحان بھی اہلِ حدیث مسلک کی طرف ہو گیا۔ بلکہ ایک مرتبہ مجھ سے اور مولوی جلیل الرحمٰن سے تقلید و عدمِ تقلید کے مباحث پر گرما گرم بحث اور تلخی بھی ہو گئی۔ میں نے اہلِ حدیث مسلک کی زوردار طریقے پر حمایت کی۔

اب میں نماز یاد کر چکا تھا اور ضروریات دین سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا۔ ایک روز میں نظام الدین صاحب کی دکان پر گیا اور ان سے کہا کہ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے اسلام کا اعلان کر دوں، اور علی الاعلان فرائضِ اسلام بجا لاؤں اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ میں اپنے اسلام کا اعلان جامع مسجد دہلی، جامع مسجد پھلور، امرتسر یا لاہور میں کروں، میری اس بات کو سنتے ہی شیخ نظام الدین نے فوراً اپنی دکان کا دروازہ بند کر لیا اور کہنے لگے کہ ایسی گفتگو آہستہ سے کیجئے اگر کہیں تمہارے خاندان والوں کو پتہ چل گیا تو میرا سر توڑ دیں گے اور میرے گھر بار کو تباہ و برباد کر ڈالیں گے۔

اس کے بعد طے ہوا کہ خوشی محمد سے مشورے کے بعد اگلا قدم اٹھایا جائے چنانچہ مجلس مشورت منعقد ہوئی اور طے پایا کہ دہلی جا کر میں اپنے اسلام کا اعلان کروں۔ چنانچہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ ۴ اپریل ۱۹۳۳ء کو ایک بجے خوشی محمد کی معیت میں اپنے گھر سے نکلا۔ گویا کفر و ضلالت کی دنیا کو میں نے خیرباد کہا اور اسلام و ایمان کی طرف بڑھا۔ دنیا کے سارے رشتے چھوڑے اور اللہ سے رشتہ جوڑا۔

میں نے اس سے پہلے اپنے والد کو سارا حساب کتاب جو مجھ سے متعلق تھا سونپ دیا تھا اور جو رقم میری تحویل میں تھی وہ ان کے سپرد کر دی تھی۔ صرف آٹھ روپے ساڑھے چودہ آنے جو میری ذاتی پونجی تھی وہ اپنے پاس رہنے دیئے۔ یہ میرا کل اثاثہ تھا۔

رات کو ہم نے شاہ کوٹ میں قیام کیا ۔مسلمانوں کا محلہ تھا ۔سڑک کنارے سوئے وہیں مجھے خوشی محمد نے قاضی سلمان منصورپوری مرحوم کی مشہور کتاب "رحمۃ للعالمینؐ" کی پہلی جلد لاکر دی ۔میں نے اس جلد کا خاص طور سے وہ حصہ پڑھا جو صحابہ کرام کے اسلام لانے اور مصائب و آلام کے برداشت کرنے اور ثابت قدم رہنے سے متعلق تھا ۔ تقریباً نوّے صفحات تھے ۔اور رات کو گائے کا گوشت پکا کر کھلایا رات کو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ۔ صبح سات بجے ہم شاہ کوٹ سے دہلی روانہ ہوگئے ۔راستے میں نکودر میں ایک صاحب مولوی محمد علیٰ صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ جب ان کو میرے عزائم معلوم ہوئے تو انہوں نے کہا کہ مسلمان ہونے کے بعد داڑھی رکھنی پڑے گی ۔میں نے کہا ضرور رکھوں گا ۔

شام کو ۸½ بجے ہم دہلی پہنچے ۔خوشی محمد مجھے مولوی عبدالوہاب ملتانی کے مدرسے میں لے گئے ۔ اس وقت وہاں نمازِ عشاء ہو رہی تھی ۔ نماز کے بعد خوشی محمد نے مولوی عبدالستار صاحب سے میرا تعارف کرایا اور مقصد بیان کیا کہ وہ مجھے باقاعدہ مسلمان کرلیں ۔انہوں نے جواب دیا کہ اب تو اسی طرح سلادو صبح ترجمہ قرآن کریم سنانے کے بعد مسلمان کریں گے ۔

میرے دل پر اس کا بُرا اثر ہوا کہ اس کام میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے تھی ۔مبادا میرا ارادہ بدل جاتا ۔بہرحال مجھے ایک رات اور غور کرنے کا موقع مل گیا ۔میں سوچتا تھا ۔اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی خدا تعالیٰ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اختلافات ہیں لہٰذا مجھے سب سے اقرب الی الحق فرقہ کی طرف رہنمائی فرما اور رات کو مجھے اطمینان ہوا کہ میں اہلِ حدیث مسلک کو اختیار کرلوں ۔ خدایا ! میں بالکل کنارے پر کھڑا ہوں ۔ مجھے حق کی روشنی دکھا ۔رات کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک مجمع عام ہے اس میں اسلام کی حقانیت پر مباحثہ و مناظرہ ہو رہا ہے جس میں اسلام پر تقریر کرنے والا شخص مظفرؔ و منصور ہوا ۔جب میں بیدار ہوا تو میرے دل کو سکون و اطمینان تھا اور میں نے سمجھ لیا کہ اسلام دینِ حق ہے ۔

صبح اذان ہوئی میں نماز میں شریک ہوا ۔ نماز کے بعد مولوی عبدالستار صاحب کا درسِ قرآن ہوا ۔اس کے بعد انہوں نے مجھے باقاعدہ مسلمان کیا اور میرے اسلام لانے کا اعلان عام ہوگیا ۔مولوی صاحب نے میرا نام عطاء اللہ تجویز کیا جو ایک سال تک رہا مگر مجھے اپنا نام ارشاد اللہ پسند تھا ۔ مگر جب میں نے حدیث میں پڑھا کہ اسلام میں پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں تو میں نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا اور اب میں اسی نام سے مشہور ہوں ۔میری زندگی کا یہ عظیم واقعہ (قبولِ اسلام یا

یا اعلانِ اسلام) ۱۴ر اپریل ۱۹۳۲ء مطابق ۷ر ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ کو ہوا۔ اَللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

میں نے جامع مسجد (دہلی) کے امام صاحب سے اپنے اسلام لانے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا اور وہ سرٹیفکیٹ خوشی محمد صاحب کو دے دیا تاکہ ان پر کوئی مصیبت نہ پڑے۔ ساتھ ہی میں نے اپنے اہلِ خاندان کو بذریعہ ڈاک مطلع کر دیا کہ بلا کسی جبر و اکراہ کے برضا و رغبت میں نے اسلام کو دینِ حق سمجھتے ہوئے اسے قبول کیا ہے۔ اس میں کسی کی ترغیب و تحریص و تخویف کو مطلق دخل نہیں تھا۔ میرے اس فعل کا کوئی شخص محرک و ذمہ دار نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ معاملہ ختم ہوگیا۔ البتہ میری بہن سودھا بی زوجہ لالہ کشوری لال ساکن کپور تھلہ نے جو اس وقت دہلی ہی میں مقیم تھی۔ ضرور ہاتھ پاؤں مارے اور اس زمانے میں اس نے تقریباً نو سو روپیہ خرچ کیا۔ مختلف اسکیمیں اور منصوبے بنائے مجھے اغوا کرانا چاہا مگر سب بے سود ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر میری حفاظت اور مدد فرمائی۔

اب میں نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی اور مدرسہ دار الکتاب والسنّہ میں پڑھنے لگا۔ میرے اسلام لانے کے ایک سال آٹھ ماہ بعد میرے رشتہ کی بات چیت ہوئی۔ مولانا عبدالستار دہلوی مرحوم کی بڑی پھوپھی کی پوتی اور چھوٹی پھوپھی کی نواسی کے ساتھ میری شادی ہوگئی۔

میں نے مسجد فتح پوری کے مدرسے میں بھی تعلیم حاصل کی کچھ دنوں مدرسہ صدر لقیہ میں بھی پڑھا۔ جب میں فارغ التحصیل ہوگیا تو مدرسہ دار الکتاب والسنّہ میں باقاعدہ تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شروع شروع میں مجھے پڑھانے میں دقت ہوئی۔ لہٰذا میں مولانا عبدالجلیل صاحب کے پاس سامرود (ضلع سورت) چلا گیا۔ ان کے پاس میں نے پھر تمام کتابیں پڑھیں۔ اب مجھے اپنے اوپر اعتماد ہوگیا اور بانشراحِ خاطر پڑھانے لگا۔ چھ ماہ میں نے مدرسہ اوڈانوالہ (ضلع لائل پور) میں بھی پڑھایا۔ اس کے بعد میں دہلی آگیا دو سال تک پھر مدرسہ دار الکتاب والسنّہ میں پڑھاتا رہا اس کے بعد میں نے دہلی میں مسجد تیم والی (پہاڑ گنج) میں اپنا مدرسہ محمدیہ قائم کر لیا اور کتابوں کی تجارت کا بھی سلسلہ شروع کر دیا۔ ستمبر ۱۹۴۷ء تک میرا یہی مشغلہ رہا۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب دہلی میں مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا تو میں نے اپنے اہل و عیال کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی اور ۷ر نومبر ۱۹۴۷ء کو لاہور آگیا، دس ماہ منٹگمری میں رہا۔ پھر مدرسہ ڈھلانہ میں تدریسی خدمات انجام دیں یہ سلسلہ ۲۸ر فروری ۱۹۴۸ء تک رہا۔ اس کے بعد میں کراچی آگیا اور جماعتِ اسلامیہ کراچی

کا ناظم دفتر مقرر ہوا اور ایک مسجد میں بلا معاوضہ خطابت کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ جماعت اسلامی کے بعض حضرات سے کچھ اختلاف ہوگیا لہٰذا میں نے علیحدگی اختیار کرلی (۱۲ اگست ۱۹۴۹ء)

تقریباً چھ سال میں دہلی میں صحیفہ اہل حدیث کا منیجر رہا۔ مولانا محمد اسماعیل (گجرانوالہ) اور میرے درمیان ایک بحث تقریباً آٹھ ماہ جاری رہی۔ بحث یہ تھی کہ مسلمان کو اپنے لیے بحیثیت مسلمان کیا کہنا چاہیے، مسلمان یا اہل حدیث، میں کہتا تھا کہ مسلمان کہنا چاہیے۔ مولانا محمد اسماعیل گجرانوالوی کہتے تھے کہ اہل حدیث۔ مولانا عبید اللہ (شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ دہلی) حکم قرار پائے۔ انہوں نے کہا کہ میں تو عبد الرحمٰن کی رائے سے متفق ہوں۔ میں نے مولانا عبید اللہ صاحب سے علم حدیث کا درس دینا سیکھا ہے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس مولانا عبید اللہ صاحب ہی نے مجھے سکھایا ہے۔

میرے چار لڑکے (۱) عبد المنان (۲) حبیب الرحمٰن (۳) خلیل الرحمٰن اور عبید الرحمٰن ہیں۔ اول الذکر جیولاجسٹ ہیں اور اس وقت امریکہ میں ہیں۔

غلام مصطفیٰ قاسمی نے زاہد پریس حیدرآباد سے چھپوا کر
شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سے شائع کیا۔